گدی میرے بیٹھنے کی منتظر ہوتی.. لیکن اب میں اس پر آسانی سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ وہ بہت چھوٹی رہ گئی تھی اور اور میرا بدن اس سے بڑا ہو گیا تھا.. اور پھر میں بڑی کلاسوں میں ہونے لگی اور بابا مجھے لینے آتے تو وہ میرا ماتھا چوم کر سائیکل کے ہینڈل کو تھام کر پیدل چلنے لگتے اور میں سفید چادر میں گھونگھٹ نکالے ان کے برابر میں ٹھوکریں کھاتی چلتی جاتی اور اس مختصر سی گدی کو تکتی رہتی اور مجھے یقین نہ آتا کہ کبھی میں اس پر بھی پوری آجاتی تھی.. بابا کی سائیکل بہت پرانی ہو گئی تھی..

ماں نے بہت مخالفت کی.. تین دن بابا کو کھانے کے لئے کچھ نہ دیا.. پھر بھی انہوں نے میٹرک کے بعد مجھے کالج میں داخل کرا دیا..

وہ دیواریں اور پردے میرے وجود کا ایک حصہ بن چکے تھے.. اور ان کے پار کبھی کبھار مجھے ظفر کی جھلک نظر آجاتی جس نے تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر اب فروٹ مارکیٹ میں آڑھت کا کاروبار شروع کر دیا تھا..

ایم اے معاشیات میں.. میں نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا..

دوسرے صوبوں میں طالب علم خواب دیکھتے ہیں کہ انہیں کوئی غیر ملکی سکالر شپ نصیب ہو جائے لیکن ہمارے ہاں سرکاری دفاتر میں.. چیف منسٹر اور سیکرٹریز کی میزوں پر ایسے سکالر شپ پڑے پڑے آؤٹ ڈیٹڈ ہو جاتے ہیں کیونکہ مراعات یافتہ طبقے کے بچے پڑھائی سے دور بھاگتے ہیں اور ہم جیسوں کی پسماندگی میں سے کوئی نکل ہی نہیں سکتا جو ان سکالر شپس پر اپنا حق جتا سکے۔

ماں نے پھر بھرپور مخالفت کی.. نہ صرف بابا کو بلکہ مجھے بھی کئی روز کھانے کے لئے کچھ نہ دیا.. چولہا گرم نہ کیا اور ہم افغانی تندور سے روٹیاں لا کر اچار سے کھاتے رہے.. شاہانہ ابھی ہائی سکول میں تھی..

انہی دنوں بابا ریٹائر ہو گئے.. "میں ایک نئی سائیکل بھی نہیں خرید سکتا" انہوں نے اس شام میرا ہاتھ تھام کر کہا تھا "ساری عمر کی ٹیچنگ کے بعد اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے.. نہ کچھ سامنے نظر آتا ہے۔ تم جاؤ.. پی ایچ ڈی معمولی بات نہیں ہوتی۔ ہمارے خاندان میں تو کیا اس پورے علاقے میں کوئی بلوچ لڑکی ایسی نہیں ہے جس نے ڈاکٹریٹ کی ہو.. تم جاؤ.. لیکن واپس آجانا"

"اب بھی.." جیسے اس کی ہتک ہو گئی ہو اس نے ایسے.. اگرچہ مسکرانے کی کوشش میں کہا..

"اب بھی کیا؟"

"تم مردوں کو استعمال کرتی ہو؟"

"یہ تو مرد پر منحصر ہے.." اس نے خاور کے بازو کو دبایا "لیکن.. اب نہیں۔"

"اب کیوں نہیں.." اس کے لہجے میں ایک بچے کی رنجیدگی تھی..

آس پاس اور دیوار کے سائے میں بچھی چارپائی.. اور ابھی تک زمین پر بچھے اس کھیس کے سامنے جس پر سلطانہ کھڑی ہوئی تھی .. اس کے سامنے جو پہاڑیاں تھیں وہ مویشیوں سے خالی ہو چکی تھیں.. اور ان پہاڑیوں کے اندر جانے کتنے جولیاں ابھی تک مدفون تھے .. سائے میں جا رہی تھیں .. ایک ایسی سناٹے میں ڈوبی تنہائی تھی جو صرف کھنڈروں کے اندر جنم لیتی ہے اور وہ بھی ہزاروں برس پرانے آثار کے اندر..

"تم سننا چاہتے ہو کہ اب کیوں نہیں..."

"اگر تم سنانا چاہتی ہو تو..."

"میں سنانا تو چاہتی ہوں .. کسی نہ کسی کو شریک کرنا چاہتی ہوں.. اپنے لیے ہمدردی حاصل کرنے کے لیے نہیں.. صرف اس لیے کہ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس طرح وقت کے بہاؤ میں بہتا ہوا اپنی جڑوں سے دور ہو جاتا.."

میں ہمیشہ کسی بھی شے ' منظر یا کسی بھی رشتے سے چاہے وہ کتنا ہی عارضی اور سرسری کیوں نہ ہو.. جدا ہونے پر اس کی جدائی کا کرب ساتھ لے آتی تھی.. یہاں تک کہ میں اپنی کسی من پسند خوراک کا آخری لقمہ لیتے ہوئے.. اسے منہ تک لاتے ہوئے بھی جھجکتی تھی کہ یہ آخری ہے.. بابا کے ہمراہ اوڑک کے باغوں میں دن گزارنے کے بعد سڑک پر آتے ہی.. جونہی وہ مجھے گدی پر بٹھا کر پیڈل پر پاؤں مارتے تو مجھے ان درختوں سے الگ ہونے کا قلق ہونے لگتا.. میری ماں ہمیشہ اضطراب اور غصے کی حالت میں ہوتی تھی بہت کم پر سکون اور اطمینان میں ہوتی تھی اور جب ایسی ہوتی تھی تو جب کبھی مجھے دیکھ کر مسکراتی تھی تو اس کی مسکراہٹ ماند پڑنے سے پہلے ہی اس کے گم ہو جانے کا دکھ میرے اندر جڑیں پکڑنے لگتا

تھا.. مجھے قلق ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ آخری بار ہوا ہے اور اس کے بعد فنا ہے یہ دوبارہ نہیں ہوگا... امریکہ میں پہلے چند ماہ تو شدید مغائرت' گھر کی اداسی اور رشتوں سے بچھڑنے کے رنج میں گزرے... ہمہ وقت میرے کانوں میں بابا کی سائیکل کی گھنٹی بجتی رہتی.. مجھے نیند نہ آتی.. اور آدھی رات کو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی اور میرے ہوسٹل کے کمرے میں سیبوں کی مہک رچی ہوتی.. جیسے میرا بیڈ اوڑک کے کسی درخت تلے بچھا ہے.. ماں کا چہرہ.. غصیلا' دکھ بھرا ہر دم نظروں کے سامنے آتا.. کبھی اس کے نقش دھندلانے لگتے' آؤٹ آف فوکس ہو جاتے اور پھر میں بہت ہی ہمہ تن متوجہ ہو کر... امریکہ اور پاکستان کے درمیان فاصلوں کو منفی کر کے اپنے کچے گھر میں داخل ہو جاتی.. ذہن کے لیور کو گھما کر اسے پرفیکٹ فوکس میں لے آتی.. اور پھر رونے لگتی.. وہاں انسان جی بھر کے رو بھی نہیں سکتا کیونکہ آپ کی کوئی کلاس فیلو' بیدار ہو کر آجائے گی اور اس کا خیال ہوگا کہ تم اپنے کسی بوائے فرینڈ کی بے وفائی پر اپ سیٹ ہو.. گھر کے لیے ماں باپ کے لیے اور مٹی کی اداسی کے لیے رونے کا وہاں کانسیپٹ نہیں ہے..

میں ایک اجنبی قبیلے کے اجنبی رسم و رواج میں تھی.. میری کشتی ڈوب چکی تھی اور میں تیرتی ہوئی ایک ایسے جزیرے میں جا پہنچی تھی جہاں کے لوگوں کی شکلیں اور رواج مختلف تھے' رہن سہن کے انداز عجیب سے تھے اور میں ان میں ایک گمشدہ بچے کی طرح ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی..

تم جانتے ہو کہ انتھروپولوجی کیا ہے.. یہی کہ آپ اپنے معاشرے اور اس کی اقدار سے اور رہن سہن سے کٹ کر اس سے سراسر مختلف قبیلے میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں.. ان لوگوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ انسان زندگی کو ایک مختلف سانچے میں کس طور بسر کرتے ہیں.. ان کے رشتوں کی نوعیت کیا ہے.. پیدائش اور موت پر ان کے کیا ردعمل ہوتے ہیں... انہیں سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں.. کہ یہی علم الانسان ہے.. میں نے بھی اُس معاشرے کو جاننے اور سمجھنے کی سعی کی.. لیکن اپنے آپ کو ایک ریسرچ سکالر کی طرح الگ تھلگ ہو کر یہ مشاہدہ نہ کیا بلکہ آہستہ آہستہ میں ایک غیر محسوس طریقے سے اس معاشرے کے دھارے میں شامل ہو گئی یہاں تک کہ اس کے بہاؤ میں بے اختیار بہنے لگی.. میں ذہنی اور بدنی طور پر اُس آبائی دھارے کو فراموش کر گئی جس میں

سے کٹ کر میں ادھر ایک اجنبی قبیلے میں نکلی تھی... اب میں ان سے جدا ہو کر ایک محفوظ فاصلے پر بیٹھ کر ان کا مشاہدہ نہیں کر رہی تھی بلکہ اس قبیلے کا ایک فرد ہو گئی تھی.. ان کی طرز رہائش' اخلاقی اقدار اور زندگی کرنے کے ڈھنگ میرے اپنے ہو گئے' پر ایسا نہیں کہ میں نے اپنے پس منظر اور ماضی کے رشتوں کو یکسر فراموش کر دیا.. انسان تو لاشعوری طور پر ہزاروں برس کی اجتماعی یادداشت کو بھی نہیں بھلاتا.. بس یہ تھا کہ سائیکل کی گھنٹی کی آواز جب کبھی سنائی دیتی تو پہلے کی طرح میرے کانوں کے پردوں اور احساسات پر حاوی نہ ہوتی.. بہت دور کسی گہری غار کے اندر ملفوف سنائی دیتی.. اور سیبوں کی جو مہک تھی وہ میری ڈریسنگ ٹیبل پر آراستہ یوڈی کولون اور پرفیوم کی بوتلوں میں مکس اپ ہو جاتی اور میں کوشش کے باوجود اسے الگ کر کے سونگھ نہ سکتی.. ان کا وجود تھا لیکن ایسے دھندلکوں میں گم ہو گیا تھا جن تک میری رسائی نہ ہو سکتی تھی.. جیسے مدتوں پہلے مر جانے والے ایک عزیز کی یاد ہوتی ہے.. وہ بدن کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں مقیم تو ہوتی ہے لیکن وہ لمحہ موجود میں آپ کی زندگی پر کہیں اثر انداز نہیں ہوتی... میرا قبیلہ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبیلے کی مانند یاد کے صحرائے سینا میں کہیں تھا تو سہی لیکن میں اس سے جدا ہو کر ایک اور قبیلے کا فرد بن چکی تھی.. نہ صرف ان کے رواجوں کو قبول کر چکی تھی بلکہ انہیں مکمل طور پر اپنا کر اس میں اپنی شناخت کھو چکی تھی ... خاور... وہ لوگ زندگی کا تجربہ نہیں رکھتے جو یہ کہتے ہیں کہ ماں کی شفقت اور باپ کا سایہ کبھی نہیں بھولتا.. خون جوش مارتا ہے کبھی نہیں بدلتا.. سب کچھ بھول جاتا ہے بدل جاتا ہے صرف انسان اس کا اقرار نہیں کرتا.. میں کرتی ہوں.. اور اس میں کوئی شرمندگی نہیں ہے..

ڈاکٹریٹ کے بعد مجھے فوری طور پر اپنی ہی یونیورسٹی میں جاب آفر ہو گئی.... وہاں لوگ خواب دیکھتے ہیں ایسی اوپننگ کے اور میں نے اس کے لیے کوئی کوشش کوئی تردد نہ کیا اور جاب کی آفر میرے ہوسٹل کے کمرے تک خود آ گئی.. ویری لیوکریٹو.. مستقبل کے وسیع اور روشن امکانات کے ساتھ .. امریکہ دی لینڈ آف اپورچیونٹی .. اس نے مجھے گھر بیٹھے یہ اپورچیونٹی آفر کر دی.. میں پہلے سے زیادہ خود مختار ہو گئی.. اپنا کماتی تھی اور بہت کماتی تھی اور اپنا کھاتی تھی..

انہی دنوں گینگ کے کسی ایک رکن کے فلیٹ میں حسب معمول کسی بہانے ایک پارٹی تھی.. کہ آج فریڈی کی تنخواہ میں اضافہ ہوا ہے.. آج مبوتو.. نائیجیرین کی گوری گرل

فرینڈ نے اسے پہلا بوسہ دیا ہے... کیتھرین بالآخر اس مرد کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی ہے جو اسے گھاس ہی نہیں ڈالتا تھا.. وانگ واچائنہ مین کی ماں نے اسے ہانگ کانگ چوکی چائے کا پیکٹ بھیجا ہے ..یا پھر کسی نے قریب آکر یہ دریافت کر لیا ہے کہ ڈاکٹر سلطانہ شاہ کی آنکھیں نیلے کاسمیٹک لینز لگانے کی وجہ سے اس رنگت کی نہیں ہیں بلکہ سچ مچ آئرش آنکھوں کی طرح مسکراتی اور نیلگوں ہیں.. اور یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ ایک پاکستانی لڑکی کی آنکھیں نیلی رنگت کی ہوں.. اور اگر یہ ہو گیا ہے تو اسی حیرت اور خوشی میں ایک پارٹی..

کسی بھی بہانے ہر شب... گینگ کے کسی بھی رکن کے فلیٹ یا گھر میں ایک پارٹی..

ایک ایسی ہی پارٹی تھی۔

لیکن اس شب ہم سب ..پندرہ بیس لڑکے اور لڑکیاں ..سب کے سب پروفیشنل.. ٹیچرز.. آرکی ٹیکٹس اور ڈاکٹرز.. اس فلیٹ میں پینے کو جو کچھ موجود تھا اسے اپنے اندر انڈیلتے گئے اور کچھ زیادہ ہی ڈرنک ہو گئے.. اتنے زیادہ کہ دو چار ڈرنکس کے بعد جو جوڑے چپکے سے کھسک جاتے تھے کسی بیڈ روم میں یا جگہ نہ ہو تو باتھ روم میں الگ ہو جاتے تھے اور کچھ دیر بعد واپس آکر گینگ کو "ہائے ایوری باڈی" کہہ کر منہ پونچھتے بار بار لباس درست کرتے پارٹی میں پھر سے شامل ہو جاتے تھے وہ بھی اس درجے کے خمار میں آگئے کہ بدن اور جنس کو بھی فراموش کر گئے۔

ہم سب دنیا کو برباد کر دینا چاہتے تھے۔

ہم ایسی خوشی اور مستی میں تھے کہ پورے نیویارک کو اپنے نشے سے بل ڈوز کر سکتے تھے۔

جب فلیٹ میں آبی ذخیرے کی ایک بوند بھی باقی نہ رہی.. اور بوتلوں کو اٹھا کر ان کی پشت پر تھپکیاں دینے کے باوجود ان میں سے شراب کا ایک قطرہ بھی برآمد نہ ہوا تو ہم سب غل کرتے 'ایک اور بوند کے لیے پاگل ہوتے' لڑھکتے اور ٹھوکریں کھاتے اور خداؤں ایسے یقین کے ساتھ کہ ہم کبھی فنا نہیں ہوں گے.. فلیٹ کے نیچے آئے.. جانے کیسے ففتھ ایونیو تک جا پہنچے اور اس کے ہر شراب خانے اور ریستوران کے دروازوں کو دھکیلتے اندر داخل ہو جاتے.. گرتے پڑتے شراب کی ڈیمانڈ کرتے.. میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ ہمیں شدید نفرت اور ناپسندیدگی سے دیکھتے لیکن ہمیں تو ان کے چہرے بھی نظر نہیں آرہے

تھے ان کی نفرت اور ناپسندیدگی کیسے نظر آجاتی.. ہم ان کے آگے دھری ڈرنکس بھی اٹھا اٹھا کر اپنے اندر انڈیلتے گئے.. کہاں کہاں سے ہمیں زبردستی نہ نکالا گیا.. ویٹرز نے کسی ریسٹوران میں سے ہمیں دھکے دے کر نکالا.. کسی شراب خانے میں پولیس بھی آگئی تھی.. ہمیں کیا پرواہ تھی۔

ہم تو نیویارک کی تمام بلڈنگوں کو بل ڈوز کر دینے کے موڈ میں تھے.. انہیں ڈھانے کے لیے آئے تھے' دنیا فتح کرنے کے لیے آئے تھے..

مجھے بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ میں کہاں ہوں۔ ساتویں آسمان پر ہوں یا کسی بے خود گہرائی میں گری بے تحاشہ قہقہے لگا رہی ہوں' کچھ پتہ نہ تھا.. لیکن تھوڑی دیر بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ میں پیومنٹ پر اکیلی کھڑی ہنس ہنس کر دوہری ہوتی چلی جاتی ہوں اور جس امریکی لڑکے نے مجھے میرے فلیٹ پر ڈراپ کرنا تھا وہ کہیں آس پاس دکھائی نہیں دے رہا.. شاید وہ کسی گٹر میں گر گیا ہے' کسی ٹرام کے نیچے آگیا ہے یا کسی ہسپتال میں ہے' کچھ پتہ نہ تھا۔

صرف میں تھی.. اور فٹ پاتھ پر اکیلی کھڑی' لڑکھڑاتی قہقہے لگا رہی تھی... انجائے کر رہی تھی۔ میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا.. کبھی میں ہنستے ہنستے دوہری ہو کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھتی تو وہ ہاتھوں کا بوجھ نہ سہار سکتے اور میں گر جاتی... اور گر کر پیومنٹ پر ٹانگیں پھیلائے لیٹ جاتی اور اسے چوم کر بار بار "ہیلو" کہتی.. لیکن پیومنٹ کے پتھر جواب نہ دیتے اور میں ناراض ہو جاتی۔ میں آخری بار گری تو وہیں فٹ پاتھ پر سو جانا چاہتی تھی لیکن میرے اندر کہیں خطرے کی کوئی گھنٹی بجتی تھی۔ شاید میرے بابا کی سائیکل کی گھنٹی تھی جو کہتی تھی' اٹھو.. تم نے گھر جانا ہے.. اٹھو.. اور میں گرتی پڑتی ڈولتی اور کبھی دو چار قدم آگے اور کبھی پیچھے ہوتی کسی نہ کسی طرح پھر سے کھڑی ہو گئی لیکن میرے قہقہے تھمنے میں نہ آتے تھے.. جب میں پیومنٹ پر گرتی تھی تو ٹانگیں پھیلانے سے وہ کولہوں تک برہنہ ہو جاتیں.. کیونکہ میں شلوار قمیض کو ایک عرصے سے ترک کر چکی تھی اور اب ایک لمبا سکرٹ پہنتی تھی.. لیکن کسے پرواہ تھی' وہ پہلی بار تو برہنہ نہیں ہوئی تھیں..

تم نے گھر جانا ہے.. تم نے گھر جانا ہے.. گھنٹی مجھے خبردار کرتی رہی..

"ٹیکسی۔ ٹیکسی" میں جو بھی کار گزرتی دیوانہ وار دونوں ہاتھ لہراتی' اس کے سامنے آجاتی اور اسے روکنے کی کوشش کرتی.. پھر مجھ میں سکت نہ رہی اور میں وہیں فٹ پاتھ

پر کھڑی ہاتھ ہلاتی "ٹیکسی ٹیکسی" پکارتی رہی.. بالآخر ایک ٹیکسی کہیں سے نمودار ہوئی اور فٹ پاتھ کے کنارے کے ساتھ آلگی.. میں نے اس کے پچھلے دروازے کے ہینڈل کو بمشکل اپنی آنکھوں سے فوکس میں کیا کیونکہ ہر شے دوہری تہری اور دھندلائی ہوئی نظر آرہی تھی ..اور جب وہ ہینڈل تین ہینڈلوں کی بجائے ایک میں سمٹ کر آیا تو میں نے اپنی تمامتر توجہ اس پر مبذول کی' بار بار اپنے آپ کو کہا کہ سلطانہ یہ ہینڈل ہے.. تم نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنا ہے اور اسے کھینچ کر دروازہ کھول کر ٹیکسی کے اندر جانا ہے....

مجھے اصولاً تو اس لمحے اتنی رات گئے 'نیویارک شہر میں' ایسی حالت میں کسی بھی ٹیکسی پر سوار ہونے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے تھا' لیکن اس لمحے میرے لیے نہ تو کوئی اصول تھا اور کوئی دن تھا اور نہ کوئی رات تھی اور میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا تھا جو پہلے سے بگڑا ہوا نہیں تھا۔

میں پچھلی نشست پر جھول کر گری اور پھر سر جھٹک کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سوبر ہونے کی کوشش میں مسکرانے لگی..

ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ سے وہ سوال نہیں کیا جو وہ ہر سواری سے کرتے ہیں کہ میم آپ کہاں جائیں گی۔ اس نے میرے بیٹھتے ہی ٹیکسی سٹارٹ کر دی اور اپنا بیک ویو مرر ایڈجسٹ کیا اور مائنڈ یو اس کے ساتھ مرجھائے ہوئے موتیے کے پھولوں کا کوئی ہار نہیں لٹکتا تھا..

وہ کوئی سیاہ بالوں والا نہایت ہینڈسم شخص تھا میں اس کے سر کے پچھلے حصے سے اندازہ لگا سکتی تھی۔

اس کے ڈیش بورڈ پر ایک چمکیلا فلور وسنٹ سٹکر چسپاں تھا جس پر جب کبھی پیچھے سے کوئی کار آتی تو اس کی لائٹس سے وہ اتنا روشن ہو جاتا کہ میری آنکھوں میں چبھنے لگتا۔ میں آنکھیں میچ کر اسے پڑھنے کی کوشش کرتی لیکن اس کی عبارت دوہری تہری ہو کر گڈمڈ ہو جاتی.. ناآشنا سے لفظ تھے جو میری آنکھوں کے سامنے رکتے نہ تھے اور خمار کے باعث مسلسل حرکت کرنے لگتے تھے۔

وہ بہت ہینڈسم اور بہت چپ تھا اور بالکل خاموشی سے ایک فرض کی ادائیگی کی طرح ٹیکسی ڈرائیو کر رہا تھا.. میں نے کچھ لمحے تو صبر کیا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر

کہا"تم اتنے سوبر کیوں ہو؟ کیا کوئی مر گیا ہے.."

"نہیں سسٹر..." اس نے پیچھے دیکھے بغیر آہستہ سے کہا..

سسٹر... یہ اس نے کیسا لفظ بولا ہے.. "کیا تم نے مجھے یہ کہا ہے... سسٹر؟" میں پھر ہنستے ہنستے دوہری ہو کر نشست پر گر گئی بلکہ لیٹ گئی اور پھر بڑی مشکل سے اٹھ کر پھر اس کے کندھے کو تھپکا"کیا میں ٹھیک سن رہی ہوں؟ تم نے مجھے سسٹر کہا؟"

"ہاں سسٹر...."

میں یکدم طیش میں آگئی.. "ہے سسٹر فکر.. وہاٹ دے فلنگ ہیل آر یو ٹاکنگ اباؤٹ .. ہے مین.. میں کسی کی سسٹر نہیں ہوں.. آئی ڈونٹ ہیوا ے بردر.. تم سن رہے ہو.. تم نے میری بے عزتی کی ہے.. مجھ سے معافی مانگو.."

"آئی ایم سوری سسٹر..."

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی اگر تم نے پھر مجھے سسٹر کہا تو.. مجھے کسی بھائی کی ضرورت نہیں... تم ٹیکسی روکو.. میں اترنا چاہتی ہوں.. روکو.. ورنہ میں شور مچادوں گی..."

"سوری... آپ مجھے معاف کر دیں.. پلیز بیٹھی رہیں.." اس نے پیچھے مڑ کر پھر بھی نہیں دیکھا بس ونڈ شیلڈ پر نظریں جمائے یہ کہتا رہا..

"اوکے.." مجھ میں سکت بالکل نہ رہی تھی ..اور میں گھر بھی پہنچنا چاہتی تھی

"ٹھیک ہے..ڈرائیو آن.."

مجھے نیویارک کے ٹیکسی ڈرائیوروں کا ایک وسیع تجربہ تھا..

اگر وہ تھارد بریڈ امریکی گورا ہے تو وہ آپ سے منزل کا پتہ پوچھنے کے بعد چپکے سے ڈرائیو کرتا چلا جائے گا.. اسے ایک غیر ملکی چہرے کو پچھلی نشست پر دراز ہو کر اس کا عارضی آقا ہو جانا اچھا نہیں لگے گا.. اگر وہ ایک ایفرو ہے یا پورٹوریکن ہے تو وہ بیک ویو مرر میں تمہیں دیکھتے ہی فلرٹ کرنے لگے گا.. اور اگر وہ پاکستانی ہے تو یقیناً اس کا میٹر تیز ہو گا اور وہ بہت مؤدب ہو گا اور باجی آپ کو یہاں کتنا عرصہ ہو گیا ہے.. گرین کارڈ مل گیا ہے یا نہیں.. میرا ایک دوست اپنے اپارٹمنٹ میں پاکستانی کھانے بناتا ہے .. چکن بریانی اور کوفتے ..ویری چیپ.. میں اس کا کارڈ آپ کو دیتا ہوں.. ہوم ڈلیوری اور حلال میٹ.. ٹرائی کریں باجی..

لیکن یہ ڈرائیور کسی اور ہی قومیت کا تھا جس کے مزاج کو میں نہیں جانتی تھی..

ایک مکمل طور پر نشے میں دُھت شخص کے ساتھ اگر آپ کچھ دیر بات نہ کریں تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ خاموشی کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جو چپ ہے میرے خلاف ہے اور مجھے پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے میں نے اس کی خاموشی کو پسند نہ کیا اور پھر اس کے کندھے کو تھپک کر کہا "مسٹر.. آئی ایم ناٹ سٹوپڈ.. مجھے پتہ ہے کہ تم مجھے بیک ویو مرر میں دیکھ رہے ہو.. ڈونٹ یو تھنک آئی ایم پریٹی.."

"یو آر سسٹر.."

میں اس کا سر توڑ دینا چاہتی ہوں.. پھر وہی سسٹر.. لیکن ٹیکسی رک رہی تھی۔

ٹیکسی رکی اور میں نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ مارا.. اور وہ نہیں کھل رہا تھا۔ شائد اس ٹیکسی میں فیکٹری والے وہ لیور لگانا بھول گئے تھے جسے دبانے سے دروازہ کھلتا تھا۔ اس نے' سیاہ بالوں والے ڈرائیور نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر اپنی نشست سے باہر آ کر دروازہ کھول دیا..

"تھینک یو.." میں باہر نکلی اور گرتی گرتی بچی.. "ہاؤ مچ؟"

اس نے کرائے کی کوئی رقم بتائی.. اور میں نے اپنا پرس کھول کر جسے حیرت انگیز طور پر میں ابھی تک تھامے ہوئے تھی وہ رقم یا اس کے لگ بھگ کچھ ادائیگی کر دی اور پھر ایک دس ڈالر کا بل اس کی جانب اچھال دیا.. اس سیاہ بالوں والے احمق نے اسے ہوا میں گرتے ہوئے فوراً اسے اپنی ہتھیلی کا سہارا دے کر دبوچا نہیں.. اسے فٹ پاتھ پر گرنے دیا..

"اس اٹھالو مسٹر.. یہ تمہارا ٹپ ہے"

وہ نہایت تحمل سے جھکا اور نوٹ اٹھالیا..

"تمہیں پتہ ہے کہ میں یہ ہیوی ٹپ تمہیں کیوں دے رہی ہوں..؟"

"کیوں؟" اس نے نظریں جھکائے اسی تحمل سے پوچھا..

"صرف اس لئے کہ آئندہ تم کسی باعزت عورت کو سسٹر نہ کہو.."

میں نے اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف دیکھا تو وہ وہاں موجود نہ تھی.. مجھے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ صرف ایک دھند تھی جس میں اب پیٹ کے اندر ایک متلی کا احساس ابھرتا تھا.. میں اپنے آپ کو سنبھالتی' میرے گھٹنے بھڑتے اور ٹانگوں میں جان نہیں تھی' میں ڈولتی ہوئی اس دھند کی طرف بڑھنے لگی۔

"تم اپنے اپارٹمنٹ تک نہیں پہنچ پاؤ گی سسٹر.." پیچھے سے اس کا ہاتھ میرے کمر کو تھامنے کے لئے آیا "میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں"

میں اب احتجاج کرنے کے قابل نہیں تھی.. لیکن اس نے مجھے سہارا دیا تو میں نے اپنا سارا بے اختیار بوجھ اس پر ڈال دیا اور پھر مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا "اے مسٹر.. تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو.. میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں"

وہ ایک ذاتی ملازم کی طرح میری دیکھ بھال کرتا.. مجھے سنبھالتا مگر میرے بدن سے بچتا مجھے میرے اپارٹمنٹ تک لے گیا..

اپارٹمنٹ کے دروازے کے سامنے پہنچ کر میں نے اپنے پرس میں سے ایک چابی تلاش کرنے کی کوشش کی اور وہ وہاں نہیں تھی۔

"یہ مجھے دیجئے.." اس نے نہایت احتیاط سے پرس میرے ہاتھوں میں سے لے لیا اور میں بڑبڑاتی رہی "پرس سنیچر.. میں پولیس کو بلا لوں گی.. میرا پرس واپس کرو" لیکن اس نے دھیان نہ دیا اور چابی نکال کر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول دیا.. دروازے کے ساتھ ہی میں اندر لڑھک گئی.. وہ باہر کھڑا رہا.. میں نے دروازہ اس کے منہ پر مار کر بند کرنے کی کوشش کی لیکن میرا ہاتھ کہیں اور جا لگا اور میں اپنے ہی بے اختیار زور میں فرش پر گر گئی اور پھر لاکھ کوشش کرنے پر بھی اٹھنے سے لاچار ہو گئی.. وہ ابھی تک وہیں کھڑا تھا "وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو سسٹر فگر.. میری مدد کرو" میں نے بازو اٹھا کر کہا..

وہ اندر آیا.. ایک احتیاط پسند جھجک کے ساتھ میرے بدن کو سمیٹ کر اٹھایا اور مجھے سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا.. اور پھر منہ موڑ کر جانے لگا تو میں نے پکار کر کہا اگرچہ میں مکمل خمار سے بھی کہیں آگے کی منزلوں پر تھی مگر مجھے ایک ایک لفظ یاد ہے.. "ہے مسٹر.. تم مجھ میں.. میری باڈی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے.. آر یو ڈمب؟"

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا.. وہ بلاشبہ ذہنی طور پر ماؤف تھا.. ڈمب تھا.. اور وہ مجھے ٹھیک طرح سے نظر بھی نہیں آ رہا تھا.. وہ اس لمحے کوئی جانور بھی ہو سکتا تھا.. کوئی بھیڑیا.. کوئی گیدڑ.. یا کوئی انسان بھی.. اگر نظر کچھ نہ آئے تو کوئی شے کچھ بھی ہو سکتی ہے.. انسان اور حیوان میں فرق نہیں رہتا۔ اس کی شکل نشے میں فرق مٹا دیتی ہے.. میں پھر سے ہنسنے لگی۔

"ہے ڈونٹ یو تھنک مائی باڈی از بیوٹی فل.." میں نے جان بوجھ کر اپنے لمبے سکرٹ کو کولہوں تک سمیٹ کر بے خودی کی ترنگ میں کہا..

"یو آر بیوتی فل.. سسٹر.." اس کا لہجہ میں نے پہلی بار محسوس کیا اطالوی قسم کا تھا جو بیوٹی فل کو بیوتی فل کہتا تھا۔

اس کے سسٹر کہنے پر میں پھر بگڑ گئی "ہولی شٹ.." میں نے سر جھٹک کر کہا "تم ہو کون.. پورٹوریکن.. اٹیلین.. وہاٹ شٹ آر یو؟"

"آئی ایم این ایرانین سسٹر.."

"اوہ.." مجھے شدید متلی ہو رہی تھی میرے پیٹ میں جتنا بھی مختلف اقسام کا الکوحل مکس اپ تھا وہ میرے گلے کے راستے باہر آنے کو زور کرتا تھا اور منہ پر ہتھیلی جمائے اسے روکنے کی کوشش کرتی تھی "تم ایرانی ہو؟"

"یس سسٹر.."

"ہے.. ہم تو ہمسائے ہیں.." میں خوش ہو گئی "شیک ہینڈز.. آئی ایم فرام کوئٹہ.. بلوچستان.. پاکستانی بلوچستان.. ووئی آر نیکسٹ ڈور نیبرز.. شیک ہینڈز" میں نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ شائد میں ہاتھ نیچے کر لوں اور پھر جیسے وہ ایک فرض ادا کر رہا ہو اس نے میرا ہاتھ چھوا اور پیچھے ہو گیا..

اور اس لمحے اس کی ٹیکسی کے ڈیش بورڈ پر چسپاں جو سٹکر تھا جس پر پیچھے سے آنے والی ٹریفک کی لائٹیں پڑتی تھیں تو وہ چمک کر میری آنکھوں کو دکھ دیتا تھا وہ سٹکر میرے خمار آلود دماغ میں تیرنے لگا.. اس پر کیا لکھا تھا جو مجھ سے پڑھا نہیں جا رہا تھا.. "تم مجھ سے ٹھیک طرح سے ہاتھ نہیں ملاتے.. نہ سہی.. لیکن تمہارے اس سٹکر پر کیا لکھا تھا.. آئی لو میڈونا.. آئی لو فری سیکس.. یا آئی وانٹ ٹو میک یو پریگنٹ تو نہیں لکھا تھا کہ کچھ اور لکھا تھا.. کیا لکھا تھا.."

وہ دھیمے سے ایک خاص شرمندگی سے مسکرایا.. اور اپنے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگا "وہ.. کلمہ شریف کا سٹکر ہے.. سسٹر.."

"وہاٹ؟" میں نے بستر پر سے اپنے اوندھے پن سے اٹھنے کی کوشش کی اور پھر سے ڈھیر ہو گئی.. اور پھر ڈولتی ہوئی اپنی کہنیوں کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی "تم ان چیزوں پر یقین رکھتے ہو؟" اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا.. نظریں نیچی کئے کھڑا رہا..

"آئی ایم آلسواے موزلم.." میں نے اپنے لمبے سکرٹ کو جو کولہوں کے اوپر تک سمٹ چکا تھا عقیدت کے اظہار کے طور پر کھینچ کر نیچے کیا اور برہنہ ٹانگوں کو ڈھانپ لیا" بٹ آئی ڈونٹ بیلیو ان دس راٹ.."

"مجھے پتہ ہے کہ آپ ایک مسلمان خاتون ہیں سسٹر.."

"ہاؤ دے فک ڈو یو نو دیٹ؟" مجھ میں بولنے کی قوت گھٹتی جاتی تھی اور میری پھولی ہوئی زبان ایک مرتے ہوئے سانپ کی دُم کی طرح ہولے ہولے حرکت کرتی تھی اور لڑکھڑاتی تھی "تمہیں.. تمہیں کیسے پتہ ہے کہ میں کوئٹہ کے ایک سکول ماسٹر کی بیٹی ہوں جس نے ایم۔اے کرنے کے بعد امریکہ.. لیکن تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ کوئٹہ کہاں ہے.. نہیں.. نہیں نہیں تم جانتے ہو کہ جانتے ہو کہ کوئٹہ کہاں ہے.. ہم تم پڑوسی ہیں ایرانی برادر.."

اس لمحے اگر وہ چلا بھی جاتا تو میں اس مقام کو گھورتے ہوئے جہاں وہ کھڑا تھا باتیں کرتی چلی جاتی.. یہ میں نہیں میرا اخمار بولتا تھا جسے کسی مقابل کی ضرورت نہیں تھی "تمہیں پتہ ہے.. ڈو یو نو دیٹ.. میں پردے میں گھر سے نکلتی تھی' ایک حنوط شدہ ممی کی طرح لپٹی ہوئی۔ ایک پارسل کی طرح پیک شدہ.. بلکہ پارسل کے تو کہیں کہیں سے تناسب ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن میرے.. نہیں نہیں.. اور پھر سکالر شپ آگیا.. میرا باپ بہت فکر مند تھا.. بہت.." میں نے سر جھٹکا.. کیونکہ مجھے سائیکل کی گھنٹی سنائی دینے لگی.. یا شائد یہ میرے اپارٹمنٹ کی بیل تھی.. ہوز رنگنگ.. یہ کون ہے.. کون ہے جو گھنٹی بجاتا ہے.. میں نے کان لگا کر سنا.. اور پھر اس کی جانب دیکھا جو بُت بنا کھڑا مجھے سن رہا تھا.. اگر یہ آواز مجھے سنائی دے رہی تھی تو یقیناً اس کے کانوں میں بھی آرہی ہوگی ہے.. کیا تم بھی سن رہے ہو؟.. غور سے سنو.. کین یو ہیئر اٹ؟.. میرا باپ ہمارے کچے گھر کے صحن میں داخل ہو رہا ہے اور مجھے متوجہ کرنے کے لئے سائیکل کی گھنٹی بجا رہا ہے.. ٹن ٹناٹن.. تم سن رہے ہو.. نہیں.. تم بہرے ہو.. یو آر ڈیف ڈیف ڈیف.. انی وے میرا باپ بہت فکر مند تھا.. امریکہ.. اکیلی لڑکی.. اور مجھ میں ڈر تھا لیکن میں یہاں آئی تب مجھ پر کھلا کہ زندگی کیا ہے.. وہاٹ از لائف.. دس از.. دس از لائف ڈیم اٹ.. باقی سب بُل شٹ ہے.. زندگی رواجوں اور مذہبی ممبو جمبو بڑبڑانے کا نام نہیں ہے لیکن.. ہاؤ ڈو یو نو.. دیٹ آئی ایم اے موزلم.. لیکن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ مجھے مسلم ہونے پر فخر ہے.. ہاں.. آئی ایم ویری پراؤڈ ٹو بی اے موزلم.." میں

ابھی تک بستر پر بکھری پڑی تھی.. اب میں نے کہنیوں کے سہارے اپنے آپ کو اٹھایا اور ٹانگیں سمیٹ کر آلتی پالتی مار کر مہاتما بدھ کی طرح بیٹھ گئی.. ہر خواہش کو پورا کرنے والے بدھ کی طرح اور بولتی گئی.. "ہاں تو وائز گائے.. تم کیسے جانتے ہو کہ میں.. اوہ ہاں.. یہ تو بہت ہی آسان ہے" میں نے اپنے گلے کے گرد انگلیاں پھیریں تو لاکٹ ابھی موجود تھا.. تم نے اس لاکٹ پر جو "اللہ" لکھا ہوا ہے.. تم نے اسے دیکھ کر اندازہ لگایا ہے.."

"نہیں؟"

"تو پھر تم کوئی گورو ہو.. غیب کا علم جانتے ہو ایرانی برادر.."

میں اگرچہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی لیکن مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا.. غنودگی اور ٹوٹتے خمار کی بے بسی میرے اندر لہریں لیتی مجھے ڈھا رہی تھی۔

وہ بدستور اپارٹمنٹ کے کھلے دروازے میں کھڑا تھا.. سر جھکائے.. میری طرف دیکھتا نہیں تھا صرف سن رہا تھا.. اور یہی تو رنج تھا مجھے.. اپنے آپ کو بے عزت محسوس کر رہی تھی کہ وہ میری جانب اس نظر سے نہیں دیکھتا تھا جو ہر اس امریکی کی نظر ہوتی ہے جب اس کے سامنے خمار میں گم اپنے بدن سے بے خبر ایک نوجوان لڑکی ایک اپارٹمنٹ میں تنہا ایک بستر پر بیٹھی ہوتی ہے.. بیٹھی تو ہوتی ہے لیکن اسے اگر ایک تنکے سے بھی چھو دیا جائے تو وہ لیٹ جاتی ہے.. اس نظر سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں ایسے جانتا ہوں کہ تم.. اگرچہ ڈرنک ہو سسٹر.. لیکن تم میں اب بھی ایک حجاب ہے.. تم وہ بدمستی نہیں ہے جو ایک عام امریکی لڑکی میں ہوتی ہے.. تمہارا چہرہ بے حیا نہیں ہو سکتا مکمل طور پر.. تم جو کر لو.. تم ان کی طرح نہیں ہو سکتیں اور بے شک تمہارا سارا وجود بے حجاب ہو جائے تب بھی تمہاری آنکھوں میں ایک جھجک ہے.. اس جھجک نے مجھے بتایا ہے کہ تم مسلم ہو.. تم اب آرام کرو.. میں چلتا ہوں"

"وہاٹ بل شیٹ.. دفع ہو جاؤ.. د.. د.. دفع.. ہو ہو جاؤ.." میں نے چیخ کر کہا اور اتنے زور سے کہا کہ میرے بیٹھنے کا بیلنس ڈولنے لگا اور میں اوندھے منہ گرنے لگی.. گرتے ہوئے.. جب تک میری ناک بستر کی چادر پر کریش ہو جاتی اس درمیانی مدت میں.. ان لمحوں میں جو بہت آہستہ آہستہ سلو موشن میں تھے۔ نشے میں تیرتی ہلکی ہوتی.. اپارٹمنٹ کی ہر شے کے ساتھ میں بھی اڑتی پرواز کرتی تھی۔ میری سٹڈی ٹیبل پر آراستہ کتابیں ورق الٹتی تھیں

جیسے جیسے میری طبیعت اُلٹتی تھی.. کھڑکی کے پردے ہلتے تھے۔ میرے پلنگ کے پائے ہوا کے دوش پر تیرتے تھے۔ سائڈ ٹیبل پر رکھا ایک گلاس.. دو گلاسوں میں بدلتا تھا.. پھر تین اور پھر درجنوں گلاسوں میں بدلتا تھا۔ میں اگر ہاتھ بڑھا سکتی تو ان میں جو حقیقی گلاس تھا اسے نہیں تھام سکتی تھی.. ٹیبل لیمپ دھندلاتا تھا.. سامنے تپائی پر بجی ظفر کی تصویر آؤٹ آف فوکس ہو کر کئی چہرے دکھاتی تھی' اس کی کئی ناکیں تھیں' درجنوں آنکھیں تھیں اور تہہ در تہہ بے شمار مسکراہٹیں تھیں.. وارڈروب کے کھلے دروازے میں سے میرا بلوچی ڈریس ہینگر سے جھولتا تھا اور اس پر گول شیشوں اور رنگین دھاگوں کے پیٹرن جگمگاتے اور دھندلاتے تھے اور ہر چھوٹے سے شیشے میں ماضی کی شبیہیں ابھرتی تھیں' گھنٹیاں بجتی تھیں اور اپارٹمنٹ میں سیبوں کی مہک تیرتی تھی۔

اور اُس مغربی پہناوے میں میرا بدن آزاد اور بے پرواہ.. جو کبھی ایک چادر میں دفن ایک مردے کی طرح بے جان اور بے نام تھا.. تب سیبوں کی گھنی مہک پر ایک اور مہک حاوی ہونے لگی.. الکوحل کی بو سیدہ اور بساند چھوڑتی مہک جو مجھ میں رچی ہوئی تھی.. کیلیفورنیا کے انگوروں کا خمیر.. کسی پورٹ کسی مارٹینی یا رَم.. یا سکاچ کی دھاریں تھیں جو سیبوں کی مہک پر حاوی ہوتی تھیں.. اور بستر پر اوندھے منہ گرتے ہوئے اس بے خودی کے خلا میں تیرتے اور گرتے ہوئے میں نے ایک شیلف میں.. انتھروپولوجی کی دبیز کتابوں' ریسرچ پیپرز اور سڈنی شیلڈن کے ناولوں کے درمیان ایک شہاب ثاقب کو چھوٹتے.. فضا میں تیرتے.. روشنی کا جھماکا تخلیق کر کے فوراً ہی گم ہوتے دیکھا.. جسے میری سخت گیر ماں نے ایئرپورٹ روانہ ہونے سے پیشتر ایک سبز رنگ کے تھیلے میں لپیٹ کر میرے کپڑوں کے درمیان رکھا تھا.. "بیٹی اسے پڑھا کرنا.. غافل نہ ہونا.."

بیٹی نے امریکہ میں آکر بہت دنوں تک سر پر دوپٹہ اوڑھ کر اسے باقاعدگی سے پڑھا.. غفلت نہ برتی.. نہ سمجھتے ہوئے بھی.. عقیدت کی جہالت میں.. سر ہلاتے ہوئے پڑھا..

اور پھر کچھ بے قاعدگی آنے لگی.. غفلت کا احساس تو تھا لیکن ایک بے نام آہستگی اور دھیرج سے.. بیٹی کی روح میں آزادی داخل ہونے لگی.. وہ ایک نئے قبیلے کے رسم و رواج قبول کرنے لگی اور پھر ایک ایسا وقت آیا کہ پرانے قبیلے کی رسمیں اور عقیدے مضحکہ خیز لگنے لگے..

اسے اب کتنے زمانے' کتنے یگ بیت چکے تھے' انتھروپولوجی کی کتابوں.. ریسرچ پیپرز اور بیسٹ سیلرز ناولوں کے درمیان کوئی ایک اور کتاب ہوئے.. ان میں بے نام ہوئے کتنے یگ بیت چکے تھے.. وہ کسی اور قبیلے کی تحریر تھی جواب میرا نہ تھا..

ہر شے پرواز کرتی تھی.. متحرک اور بس سے باہر ہوتی تھی..

اور اوندھے منہ گرنے کا عمل مکمل ہوا اور میری ناک بستر کی چادر پر کریش کر گئی.. میں اسی حالت میں پڑی رہی اور شاؤٹ کرنے لگی "دفع ہو جاؤ.. گیٹ دے ہیل آؤٹ آف ہیئر.. نہیں تو میں پولیس کو اطلاع کر دوں گی کہ.. کہ.. ایک ایرانین لیبر ورسٹ میرے اپارٹمنٹ میں گھس آیا ہے اور.. اور.. مجھے سسٹر کہتا ہے.." اور مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا میرا منہ بستر کی چادر میں دھنسا ہوا تھا اور میری پشت بلند تھی جیسے سجدے میں جانے سے ہوتی ہے اور میں بے اختیار ہنستی گئی.. میری آنکھوں اور کھلے منہ سے رالیں بہتی تھی..

وہ ابھی تک وہاں تھا.. میری دھمکی کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا.. وہ ذرا آگے آیا.. اس کے ہاتھ میری جانب بڑھے اور وہ مجھے درجنوں ہاتھ دکھائی دیئے.. شائد اب وہ میرے بدن کی کشش محسوس کرتا تھا آخر وہ مرد تھا کتنی دیر اپنے آپ کو روک سکتا تھا.. اس کے ہاتھ آگے آئے.. میں اوندھے منہ گری کن انکھیوں سے ان کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی کہ مشرقی مرد کی یہ سسٹر منافقت ابھی انجام کو پہنچ جائے گی.. اس کے ہاتھ آگے ہوئے اور میرے کندھوں کو تھپک کر پھر پیچھے چلے گئے.. "سسٹر.. تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے.. سونے کی کوشش کرو.. لیکن یہ زندگی نہیں ہے" اور پھر وہ پلٹ کر واقعی جانے لگا..

میں نے بمشکل اپنے آپ کو اٹھایا.. اپنے آپ کو پھر سے اوندھے منہ گرنے سے بچایا" ہے وائز گائے.. جانے سے پہلے مجھے زندگی کے بارے میں تو بتاتے جاؤ کہ یہ نہیں تو پھر کیا ہے.." اور میں پھر قہقہے لگانے لگی.. میرا لباس میری طرح بے ترتیب اور خمار میں تھا اور لاپرواہ تھا کہ وہ میرے بدن کے کس حصے کو ڈھکتا ہے اور کس کو برہنہ کرتا ہے..

وہ آہستگی سے پلٹا.. "سسٹر.. یوں ڈرنک ہو کر تو ہر کوئی ہنس سکتا ہے.. قہقہے لگا سکتا ہے.. مزا تو تب ہے کہ اگر تم نے شراب نہ پی ہو.. اور پھر تم ہنسو.. قہقہے لگاؤ.. یہ زندگی ہے" اور یہ کہہ کر وہ دروازے میں سے نکل گیا..

اُس دن کے بعد.. آج تک میں نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

جولیاں کی پہاڑی پر بکھرے معبد اور درس گاہ کے کھنڈر تاریکی کی گہری گپھا میں گم سکوت میں تھے.. ہوا میں جو سرد نمی تھی وہ اس اوس کی تھی جو ان کے بدنوں کو شہباز کی چارپائی کی ادوائن کو ٹھنڈ سے دوچار کراتی تھی.....

بڑے تالاب کے گرد وہ طاقچے تھے جن میں نصب ساکیا منی کے بُت اب بے گھر ہو کر ٹیکسلا میوزیم کے شوکیسوں میں قید تھے اور ان کے پتھروں پر دھویں کے نشان تھے.. اور جو طالب علم اور بھکشو حبت اور چین سے آگہی حاصل کرنے کے لیے جُولیاں آتے تھے ان کی رہائشی کوٹھڑیوں پر اب چھتیں نہیں تھیں..

گھپ اندھیرا تھا اس لیے وہ ہاتھ تھامے ہوئے چلتے تھے..

سلطانہ الگ ہوئی اور ایک کوٹھڑی کے اندر چلی گئی..

"اس کوٹھڑی میں کچھ دیر رہنا چاہیے.. اس میں پتہ نہیں کتنی متلاشی روحوں کے سانس ہیں.. ان سانسوں میں شاید وہ جواب ہوں جن کی میں متلاشی ہوں.. میں موت کی ماہیت کو سمجھ نہیں سکی.. ایرانین برادر نے زندگی کی جو توجیہہ کی تھی اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا تھا.. لیکن کیا بس یہی توجیہہ ہے.. میں ابھی تک اندھیرے میں ہوں۔"

خاور نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو وہاں ایک تاریک آسمان تھا لیکن اس تاریکی میں بجھتے ہوئے نیم روشن ستارے نمایاں ہوتے تھے۔

سلطانہ کی ان نیلگوں آنکھوں میں جن میں ایرانی برادر کو ایک جھجک نظر آئی تھی ان میں کوئی ایک ستارا اترا اور بے چھت کوٹھڑی کے در و دیوار نیلاہٹ میں رنگے گئے..

"میں اندھیرے میں ہوں اور اس کے باوجود تمہاری جانب کھنچی چلی جاتی ہوں.. اب اس کی توجیہہ کیا ہے؟"

اجرک کے کھلے کرتے اور شلوار میں اس کا بدن بے حد مختصر تھا.. ایک مٹھی میں آجانے والا بدن.. اس کی آنکھوں کے تلے اس کے ہونٹ تھے جو دکھائی نہیں دیتے تھے..

متلاشی روحوں کے سانسوں میں کچھ اور سانس شامل ہوئے.. کیونکہ ہونٹوں کی نمی دیکھنے سے نہیں محسوس کرنے سے ہوتی ہے..

ریلنگ پر رکھے ہاتھ کا لمس جب سفر کرتے ہونٹوں تک پہنچتا ہے تو اس کی گرم نمی سے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور ایک مٹھی میں آجانے والا بدن بھی اپنے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔

سرکپ کے شہرِ قدیم اور خاموش.. تیکسلا میوزیم کی آبیوی میں ڈھکی تاریکی میں روپوش... دھرماراجیکا سٹوپا کی قربت میں سے گزرتے.. اور پھر یکدم جی ٹی روڈ کے غُل اور تیز فل لائٹس میں شامل ہونے تک ایک ٹھہری ہوئی خاموشی نے ان کی میزبانی کی..

اس کی مٹھی ابھی تک اس حدت میں تھی جو اُس میں آجانے والے بدن نے عنایت کی تھی..

"کل رات پیر سہاوا سے واپسی پر... اگر میں دائیں ہاتھ مڑنے کا انڈی کیٹر نہ دیتا اور سیدھا چلا جاتا تو کیا واقعی تم میرے ساتھ چلی جاتیں؟"

"پل بھر کے لیے شعور کھو دینے کا کوئی لمحہ تھا.. مجھے یاد نہیں۔"

"کیا تم سیریس تھیں؟"

"میں وہاں تھی ہی نہیں.. بار بار اس کا تذکرہ مت کرو" وہ ویسے ہی ٹھنڈی اور لاتعلق ہو گئی جیسے اپنے ہوسٹل کے لونگ روم میں تھی.. ایک اجنبی وجود "احتیاط سے ڈرائیو کرو.. سامنے سے آنے والی ہیوی ٹریفک کی فُل لائٹس آنکھوں کو اندھا کر رہی ہیں۔"

سپر مارکیٹ کے ویران چوک میں آج بھی "مسٹر بکس" کے نیون سائن کی روشنیاں تارکول پر جلتی بجھتی اسے رنگین کرتی تھیں.. چوک سے بلیو ایریا کی جانب سٹیئرنگ گھماتے ہوئے خاور نے پھر اس کی طرف دیکھا کہ شاید اس کے چہرے پر کوئی رنگ آئے لیکن وہ ایک ایسے اجنبی کی مانند لاتعلق بیٹھی تھی جس نے اس کی کار میں لفٹ لی تھی..

"دائیں ہاتھ پر ناظم الدین روڈ کا موڑ ہے.."

"ہاں ہاں میں اندھی نہیں ہوں.. ادھر ہی مڑنا ہے.." اس نے ایک بیزار ناپسندیدگی سے کہا۔

وہ یکدم طیش میں آگیا.. "میں تمہیں سمجھ نہیں سکا.."

"میں بھی موت کو اور زندگی کو سمجھ نہیں سکی.. اگلے ماہ میں ڈاکٹر ہاشم سے شادی کر رہی ہوں.. وہ میرا کولیگ ہے.. اور ہم دونوں اکثر دور افتادہ دیہات میں ٹور کے لیے جاتے

رہتے ہیں.. پولیو کی ویکسین کے فوائد بتانے.."
وہ مکمل بے اعتنائی اور اجنبیت سے دروازہ کھول کر اتر گئی..

پانیوں کے سفر نے سب کو تھکا دیا تھا..
سب سو چکے تھے..
البتہ ایک مسافر ابھی تک بیدار تھا.. اور آنکھیں نہ جھپکتا تھا۔ خاور کی کمر پر اس کی گرم ہواڑ کی پھونک وقفوں وقفوں سے آ رہی تھی اور وہ اس کی موجودگی سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔
پکھی نہیں سوئی تھی۔
وہ کسی ٹیلے پر بیٹھی اپنی سیاہ دراوڑی آنکھیں کھولے کوئی سیاہ سحر پھونکے چلی جا رہی تھی۔
طبع حرص سے کبھی آزاد نہیں ہوتی اگرچہ بدن حرص کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا..
خاور نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اسے پاس آنے کو کہا..
وہ اپنے بھاری کولہوں سے ریت جھاڑتی ہوئی اٹھی اور پاؤں تلے کی ریت میں سے قدم نکالتی آہستہ آہستہ نکالتی اس کے قریب آ بیٹھی..
"جی سائیں.."
"تمہارا بچہ کہاں ہے؟"
"کشتی میں پڑا سوتا ہے سائیں.."
"سرور اعتراض نہیں کرتا؟"
"نہ سائیں.. روزی روزگار کا معاملہ ہے.. آپ لوگ ہمارا کچھ لے کر تو نہیں جاتے، کچھ دے کر جاتے ہو.. پر سائیں ایک عرض گزاروں؟"
"بولو..."
"بہت بے پرواہ ہو سائیں.. ہمارے تو جو ادھر کشتی میں آتا ہے تو پہلی رات ہی حکم لگا دیتا ہے.. ہم حکم کے بندے ہیں.. پر سائیں آپ بے پرواہ ہو بہت راتوں کے بعد خیال کیا ..اب حکم لگاؤ۔"

اس کی کاٹھی بہت مضبوط تھی.. ایک دراوڑ پیٹھ ریت میں دھنستی اپنے کولہوں کی چوڑائی پر ٹھہرتی تھی.. اس کے میلے کچیلے جھگے میں سے اس کی چھاتیاں زور کرتی تھیں..

وہ سلطانہ کے کہنے سے بالکل مخالف سمت میں تھی..

وہ ایک غیر جانبدار مبصر کی مانند بہت دیر تک اسے جانچتا رہا۔

"حکم کریں سائیں.. ادھر ریت پر یا کشتی میں.."

"تم کشتی میں جا کر اپنے بچے کا خیال کرو پکھی.. اس کے بغیر بھی تمہارے روزی روزگار کا بندوبست ہو جائے گا.."

خاور کو محسوس ہوا کہ جب پکھی اٹھی ہے تو اس میں روزی روزگار سے اجتناب کی مایوسی نہ تھی بلکہ حیاتی کے کل تجربے کے برعکس جو ردعمل خاور کا تھا اس کی حیرانی تھی..

بارہ کہو کے گھر میں عابدہ سومرو کا جو فون اس رات آیا' وہ آخری لگتا تھا..

اس کی آواز پہچانی نہیں جاتی تھی' نرخرے کی خرخراہٹ اور ڈوبتی ہوئی نبضوں جیسی ایک مرتی ہوئی کسی اور عورت کی آواز.. جس کے لفظ اٹکتے اور ڈوبتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتے تھے..

"مجھے دکھائی نہیں دے رہا... میری آنکھیں... میں نے ٹٹول ٹٹول کر تمہارا نمبر ڈائل کیا ہے... بہت.. بہت اندھیرا ہے.. جھوٹ بولا تھا ڈاکٹروں نے... کہ میں.. میں نیند میں... مجھے کچھ بھائی نہیں دے رہا.. میری رگیں کٹ رہی ہیں.. میں... میں... کچھ نظر نہیں آ رہا.. صرف سورج کا ایک سرخ گولا ہے.. تمہارے.. تمہارے چہرے سے پرے.. کھڑکی کی چوکھٹ پر اٹکا ہے.. میری زبان بھی بند.. بند ہونے کو ہے.. خاور.. سائیں.. کرم کرو.. تم آ نہیں سکتے... کیا تم..."

فون بند ہوتے ہی اس نے اپنے ٹریول ایجنٹ سے رابطہ کیا.. کل کسی بھی فلائٹ کے لئے.. کراچی کے لئے.. میری بکنگ کر دو..

کل تو نہیں.. کسی بھی فلائٹ پر کوئی نشست نہیں.. البتہ پرسوں...

لیکن کل...

چانس پر بھی نہیں ہے..

ٹھیک ہے.. پرسوں..

"شی از پلیئنگ وِد یو..." اس کی غلافی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ "وہ تم سے کھیل رہی ہے.."

"عابدہ؟"

"نہیں نہیں.. یہ سلطانہ.. وہ اپنے بدن کے زور سے تم سے کھیل رہی ہے.."

"اس کا بدن تو ایک مٹھی میں آسکتا ہے.. جب کہ تم.."

"ڈونٹ بی سلی.. میں نے تو تین بچوں کو جنا ہے اور..."

"اس کے باوجود تمہارے بدن میں وہ زور ہے جس سے تم کھیل سکتی ہو.. تم اس کی نسبت کہیں زیادہ کشش کی حامل ہو.."

وہ ذرا شرما گئی.. "لیکن یہ جو کہانیاں وہ تمہیں سناتی ہے.. اپنے بارے میں یہ سب وہ گھڑتی ہے تمہیں چرنے کے لئے.. کسی کو بھی یہ کہانیاں سناؤ وہ تمہیں یہی کہے گا.."

"اگر میں تمہاری کہانی کسی کو بھی سناؤں تو بھی وہ یہی کہے گا کہ یہ من گھڑت ہے.."

"بہر حال تمہیں عابدہ کو دیکھنے جانا چاہئے.. ہر صورت میں.. کسی مرتے ہوئے شخص کو انکار نہیں کرنا چاہئے.. جو شخص یہ جانتا ہو کہ وہ مرنے والا ہے اس کی ناامیدی اور بے بسی سے تم کیسے واقف ہو سکتے ہو.. تمہیں جلد از جلد جانا چاہئے، کہیں دیر نہ ہو جائے.. لیکن اس سے بچو اس نیلی آنکھوں والی نوجوان چڑیل سے جس کے امریکی لہجے سے تم متاثر ہو گئے ہو.."

نیلی آنکھوں والی چڑیل اس شب کی مغائرت اور اجنبیت بھلا چکی تھی جب اس کا فون آیا.. اسے امید بھی تھی اور وسوسے بھی تھے.. عابدہ کی مرگ بے بسی میں ڈوبی ہوئی آواز نے سلطانہ کو ذرا پیچھے دھکیل دیا تھا.. اگر وہ اس کی تشویش اور کراچی جانے میں نہ الجھا ہوتا تو وہ اب تک ایک مرتبہ پھر اس سخت گیر وارڈن کے سامنے کھڑا ہوتا.. بے شک پھر بے عزت اور بے توقیر ہوتا لیکن اس کی بے رخی کے باوجود وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا..